تحریر: حاتم محمد عبداللہ
ترجمہ وتعلیق: محمد ادریس سلفی

دوڑو کہ زمانہ چال قیامت کی چل گیا

عالمی طور پر موجودہ ترقی اور واقع ہونے والے تغیرات جن کی بناء پر مغرب دنیا پر تسلط جما رہا ہے۔ ظاہراً اس ترقی میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں اور اس کے نتیجہ میں اس وقت جو مسلمانوں کی سیاسی' اقتصادی' عسکری' ثقافتی اور علمی حالت ہے' کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بظاہر ایک ایسی تاریک صورتحال بنتی جا رہی ہے کہ شاید مستقبل قریب میں ہماری نسلیں بھی اس سے نکل نہ سکیں۔

ہماری اس بدحالی کی بنیادیں جہاں استعمار و استشراق نے مضبوط کی ہیں' وہاں ہمارا اپنا سیاسی عدم استحکام' حکمرانوں اور منصوبہ ساز اداروں کی نالائقی کا بھی کافی حصہ ہے۔ مثلاً علمی تحقیق کے لیے ہمارے بجٹ ناکافی' ذہین لوگوں کا ترقی یافتہ ممالک کا رُخ کر لینا۔ علمی ماحول اور ترغیب کا فقدان اہل علم کے لیے سہولیات بہم پہنچانے سے اموال کا قاصر رکھنا جس کی بناء پر علم دوست دیگر فن اور پیشے اختیار کر لیتے ہیں' جہاں انہیں سہولیات اور ضروریات زندگی بآسانی میسر آ سکیں۔

موجودہ ترقی میں مسلمانوں کا حصہ اس کے اسباب و نتائج پر بہت کچھ لکھا گیا اور بڑی گنجائش موجود ہے۔ کیونکہ اس طرح ہم اس حقیقت سے واقف ہو سکتے ہیں' جس کی بدولت ہمارے اسلاف نے انسانی تاریخ کی عظیم ترقی سے دنیا کو روشناس کرایا۔ فکری میدان ہو یا عملی' ہر طرح انہوں نے کرہ ارضی کو فیضیاب کیا۔ جبکہ اب ہماری حالت "پنبہ کجا کجا نہم" والی بات ہے۔ پستی اور نقالی ہمارا مقدر رہ گئی۔ ہم لقمہ لقمہ کے محتاج اور اغیار کے لیے تر لقمہ بن چکے ہیں۔

دین اور زندگی ......

بعض لوگوں کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ اسلامی شریعت صرف عقیدہ اور فقہی معاملات تک مسلمانوں کو محدود رکھنے کی خواہاں ہے اور یہ کہ مسلمان دنیاوی زندگی سے متعلق امور معاشرتی و سیاسی معاملات سے کنارہ کشی کرے۔ حالانکہ قرآن وسنت صراحۃ معاشرتی زندگی سے متعلق معاملات کی راہنمائی اور شرع کی روشنی میں ان کی اصلاح و ترقی کی ترغیب دیتی ہے۔ ہمارے اسلاف عقیدہ و عبادات کے ساتھ ساتھ خالص دنیاوی فنون سے بہرہ ور اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔

خصوصاً اندلس کی ترقی اس کی روشن مثال ہے۔ جہاں علماء عقیدہ' تفسیر' حدیث' فقہ اور لغت عربی کے ساتھ ساتھ علوم فلکیہ' طبیعۃ' کیمیا' طب' زراعت' نباتات' حیوانات سے متعلق اور ریاضی وغیرہ میں مرجع خلائق رہتے۔ بلا مبالغہ مسلم سکالر علم و طلبہ علم کا قبلہ تھے۔ تعلیم و ترجمہ کا بازار خوب گرم تھا۔ یورپ سمیت تشنگانِ علم بغداد' قرطبہ' قیروان' کوفہ' بصرہ' اسکندریہ اور اندلس کا رخ کرتے تھے۔ تاکہ ان سے سیکھیں اور اپنی لغات میں تراجم کر کے اپنی رعایا کو روشنی دکھائیں۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ یورپ کو روشنی دکھانے والے ابن سینا' جابر بن حیان' ابن الہیثم' یوسف الکندی' البیرونی' ابن البیطار' ابن طفیل' ابن رشد وغیرہ مسلمان اہل علم ہی تھے۔ جنہوں نے دنیا کو خداداد صلاحیتوں سے منور کیا۔

علامہ ابن خلدون کو سنیے:

"علم سیکھنا سکھانا انسان کی فطری عادت ہے جو اسے دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔"

علم وہاں ترقی کرتا ہے جہاں آبادی میں پُرسکون ماحول اور سیاسی خلفشاری نہ ہو۔ لوگ ضروریات زندگی سے ایک حد تک بآسانی مستفید ہو رہے ہوں۔ کیونکہ علم' فکر معاش سے اگلے درجہ کا نام ہے۔ چنانچہ لوگ جب معاشی فکر سے آزاد ہو جاتے ہیں تو دیگر منفعت بخش فنون میں دلچسپی لیتے ہیں۔ لہٰذا جب بغداد' قرطبہ' قیرون' کوفہ' بصرہ میں پُرسکون ماحول میسر تھا' اہل علم نے خدمت علم کے لیے ایسا بازار گرم کیا کہ سلف سے فوقیت لے گئے اور آنے والی صدیوں تک علمی ضرورت کے لیے علمی سرمایہ مہیا کر گئے۔ خصوصاً جب

وقفہ کے بعد ترک حکمران عالم اسلام کے قائد بنے تو انہوں نے مدارس کا جال ممالک میں پھیلا کران کے نام پرانتہائی قیمتی املاک بطوراوقاف الگ کردیں۔طلبہ اوراساتذہ معاشی فکر سے آزاد ہوکر خدمت علم میں مشغول ہوگئے اور پھر آفاق سے تشنگان علم ادھر کا رخ کرنے لگے۔

علم دوستی پیدا کرنے کے لیے اس مسند پر ماہر اہل علم کا ہونا ضروری ہے۔علوم کو حفظ کر لینا اور سمجھ لینا مہارت نہیں ہے۔ایسا تو ایک مبتدی بھی کرسکتا ہے۔مہارت علم کے بنیادی اصول وضوابط پر مکمل دسترس اوراس سے بحسب منشا استنباط وتفریع کا نام ہے جوعلم میں مباحثہ مناظرہ مجادلہ سے پیدا ہوتی ہے۔سالہا سال گونگے بن کرمجلس علم سے منسلک رہنے والے ماہر نہیں بن سکتے۔(اختصار مقدمہ ابن خلدون)

علم کی اونچ نیچ ممالک میں اس قدر بڑھ گئی ہے کہ بعض ممالک دیگرلوگوں کو تقدیس کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ شاید کوئی فطرتی صلاحیت ہی میں ہم سے برتر لوگ ہیں جو علمی تفوق سے بہرہ ور ہیں۔وہ ہمارے لیے فطرتاً ہی ناممکن الحصول ہے۔حالانکہ فطرتی صلاحیتوں میں خالق نے کسی کو اس حق سے محروم نہیں رکھا اور ناقص نہیں بنایا۔

اہل علم کی عزت افزائی ......

علم دوستی اور علماء پروری کی بناء پر ماضی کی مسلم حکومتوں میں معلم وطلبہ کو مقام عزت حاصل تھا۔اسلامی تاریخ کے چند وقفوں کے علاوہ علماء ارکان حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہتے تھے۔مسلم حکومتیں تعلیم و تعلم کے لیے اپنے بجٹ میں کبھی تنگ دلی کا اظہار نہ ہونے دیتیں۔

علماء سے دوری ......

موجود استعمار کی متعدد نحوستوں میں سے ایک نمایاں طور پر یہ بھی ہے کہ اس نے عالم اسلام میں علماء کے مقام ومرتبہ اور اصلاحِ احوال میں ان کے عمل دخل سے معاشرہ اور حکومتی اداروں کو محفوظ کرنے کا تصور پیش ہی نہیں اسے عملی جامہ پہنانے کی سعی نامسعود کی اوراس میں کامیاب رہا۔

علماء کو ترقی کے مخالفین کے طور پر پیش کیا۔ اب اکثر اسلامی ممالک میں استعمار کا سایہ بظاہر ٹل گیا' مگر علماء کے متعلق کالا انگریز وہی نظریہ رکھے ہوئے ہے۔ جو گورے نے پیش کیا۔ چنانچہ ہر کلیدی عہدہ سے علماء کو الگ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہیں غیر موثر عہدہ مل بھی جائے تو پھر راستے مسدود ہی رہتے ہیں۔ دینی علوم کے لیے بجٹ تو کیا' کسی کا وسائل مہیا کرنا بھی غیر پسندیدہ فعل قرار پاتا ہے' علوم سے بہرہ وروں کو عہدے تو کجا' ان کا نوالہ چھیننے کی مقدور بھر کوشش ہوتی ہے۔ گورا جو خود نہ کر سکا' وفادار وہ بھی کر گزرتے ہیں۔ منصوبہ بندی اور مکمل پلاننگ سے اہل علم کو حکومتی عہدوں سے برطرف معاشرہ میں مقید' ترقی کے مخالف ملک وملت پر بوجھ کا تصور دیا جا رہا ہے۔

اہل اسلام سے عداوت و دشمنی ﴾......

نور ہدایت سے عالم دنیا کا چمکنا اور مسلم علماء وطلبہ کی اس ترقی سے عقول کا مزید روشن ہونا جس سے سب اپنے بیگانے مستفید ہو رہے تھے تو کچھ لوگ کینہ پروری کی بنا کر اس شعلہ کے درپے ہونے لگے اور فکر ونظر سے ایسا جال تیار کیا کہ انسانیت کے معلم وراہنما اس کی نذر ہو گئے۔ اقتصادی' معاشی' عسکری میدان میں پستی تو کیا بالآخر ذہنی وفکری غلامی مقدر بن گئی۔ اپنا امتیاز ومرتبہ تو کیا کھونا تھا' ہم ذمہ داری سے ہی سبکدوش ہوئے۔ اس سے مزید کہ اپنے روشن ماضی اور بلند مرتبہ اسلاف سے ہی منہ موڑ لیا اور مغرب سے طلوع شمس کو سلام ہونے لگا۔ حالانکہ خالق کائنات نے روشنی کا منبع تکوینی طور پر ہی مشرق کو بنا رکھا تھا۔

دیوار کیا گری میرے کچے مکان کی
لوگوں نے میرے صحن میں رستے بنا لیے

پس چہ باید کرد ﴾......

ہمارے اسلاف سربلند' ہماری تاریخ روشن روشن' ہمارے مفکرین منصوبہ ساز' ہمارے دولت مند انفاق کے دلدادہ' ہمارے طلبہ علم کے شیدائی' ہماری سرزمین سونا اگلتی' ہمارا مشرق جگمگاتا' مگر آج.....................

مر چکا وہ ساغر جسے تم جانتے ہو

قائدین کو اس حالت پر رونا نہیں آتا۔ علم کے لیے بجٹ نہیں، منصوبہ ساز فارغ نہیں، تاریخ پڑھنے سنانے کی فرصت نہیں، اصحابِ فضل و دانش اپنے ممالک کو الوداع کہہ رہے ہیں، علمی خاندان مٹ گئے، نااہل وارثان مسند بن بیٹھے۔ علم پڑھیاں کدھے اشراف نہیں...... ہوندے جیہڑے ہون اصل کمینے ہو۔ قصہ مختصر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ میراثِ اجداد کے حصول کے لیے افراد پر نظر رکھنی چاہیے۔ سارا جسم دل و دماغ نہیں، سارا پودا پھول نہیں، علم کی محبت و دوستی کو اجاگر کرنا چاہیے۔ علم کے لیے فکر، سوچ، وقت، وسائل کا عطیہ دینے کا تصور عام کرنا چاہیے۔ اس کے لیے خود علم سے منسلک افراد قربانی پیش کریں اور پھر ادارتی عملہ اور مؤسسین کو یہ بات باور کرانی چاہیے کہ عالم کی بشری ضروریات مہیا کرنا ضروری ہے، تاکہ اس کی صلاحیتیں اسباب زیست کی تحصیل میں ضائع ہو کر نہ رہ جائیں اور وہ اپنے فرائض منصبی سے اس لیے منہ نہ موڑ لے کہ اسے دو وقت کی باعزت روٹی میسر نہیں۔

تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم جب کبھی اپنی کاوش حاکم وقت یا علاقائی ذمہ دار کو پیش کرتے تو وہ خزانوں کے منہ اس پر کھول دیتا۔ اسے حد سے بڑھ کر داد دیتا، علاقہ میں اس کتاب کی تشہیر کر دیتا۔ دیگر اہل علم کو اس پر مزید کام کی دعوت و رغبت دیتا۔ یوں حاکم و عالم باہم مودت و اخوت سے قیادت کا فریضہ انجام دیتے۔ اب بھی علم اور اہل علم کی قدر افزائی یورپ میں دیکھی جا سکتی ہے کہ ایک مؤلف کو پوری زندگی باعزت گزارنے کے لیے صرف ایک تالیف و تحقیق کا سہارا کافی ہے۔ (قطع نظر اس کے کہ وہ تصنیف کیا ہے، اصلاً غلط ہے یا صحیح۔) حکومتیں، صنعتی ادارے اور اہل ثروت سرپرستی سے اسے مزید پھلنے پھولنے کا موقع دے رہے ہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ ھو الفعال لما یرید وبیدہ التوفیق.

☆......☆......☆......☆......☆......☆